حالیہ دہائیوں کے اردو سفرناموں میں ایران کی معاشرتی تصویر

ڈاکٹر وفا یزدان منش[1]

Abstract:

"In the recent decades, dozens of travelogues have been written about Iran. By studying a selection of them, we find that, according to point of the view of travellers, each dimension of Iran has been seen from different angles and has been reflected in the travelogue with different effects. One of these dimensions is the Iranian society, and various images of it have been drawn in these writings. The war and its aftermath, the description of the cemetery from a political and cultural point of view, the description of the market and its attractions, the description of vehicles as public transportation to support people , the strong presence of Iranian active women in society are some of the issues that have been considered in most travelogues. Travelogues have expressed their views and influences on them. They also clearly describe what they have seen or encountered from the culture, customs, and way of life of the people in the city. In the transparent image collection of the Iranian society, the travelogues are presented to the reader in these travelogues."

Key words: Urdu, Travelogue, Iran, Society, War, Cemetery, Market.

مقدمہ

ا ردو ادب کی تاریخ میں، محمد حسین آزاد کا" سیرایران " ایران کے بارے میں سب سے پہلا سفرنامہ مانا جاتا ہے۔ ان کا یہ سفر نامہ 1885ءکے سفر کی روداد ہے، اس کے بعد مختلف لکھاریوں کی جانب سے ایران کے بارے میں سفرنامے لکھے جاتے رہے۔ ایم شجاع منعمی کا سفرنامہ ایران (لاہور1930)، منظو رممتاز کا ارض خیام و حافظ (لاہور1936)، محمد باقرکا چھ مہینے ایران میں (لاہور 1961) ان میں سے چند مثالیں ہیں۔ ایسے بے شمار سفرنامے بھی قلمبند ہوئے ہیں جن میں ایران سمیت دوسرے ممالک کے سفر کا بیان مل جاتا ہے ؛ جیسے ممتاز احمد خان کا جہان نما (1950)، جمیل الدین عالی کا دنیا میرے آگے (1975)، انتظارحسین کا نئے شہر نئی بستیاں (1993)۔

بیسویں صدی کی آخری دہائیو ں سے لے کر اب تک ایران کے بارے میں اردو زبان میں ان گنت سفرنامے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ خا ص طور پر اسلامی انقلاب کے بعد ایران کے پڑوسی ممالک کے باشندوں میں یہ تجسس پیدا ہوا کہ انقلاب کے بعد ایران میں کیا صورتحال پیش آئی ہے او رانقلاب کے کیسے اثرات مرتب ہوئے ہیں! انہوں نے اپنا جوا ب پانے کے لیے ایران کا سفرکیا۔ ایک سفرنامے میں اس بات کی طرف کھل کر اشارہ ملتا ہے:" جانے سے پہلے ہمارے ذہن میں یہ سوال بھی منڈ لا رہے تھے:۔ کیا انقلاب کے بعد ایران کی تمدنی زندگی میں اسلامی طور طریقے رچ بس گئے ہیں؟... کیا جدید ایران میں جدیدیت کی گنجائش ہے تو کس حد تک ہے؟..."[(1)]

جب ہم ان سفرناموں کا جائزہ لیتے ہیں اور پچھلے چالیس برس سے آج تک کا تجزیہ ان سفر ناموں کے آئینہ میں کرتے اور دیکھتے ہیں کہ ان سفر ناموں میں ایران کی کیا منظر کشی کی گئی ہے تو ایران میں دھیرے دھیرے رونما ہونے والی تبدیلیوں کا ایک خاکہ ہمارے سامنے کھنچ جاتا ہے۔اسلامی انقلاب کے بعد بدلتے ہوئے سماج اور دہائیاں گذرنے کےبعد سماجی تبدیلیوں کی جھلکیوں کی عکاسی، انہی قلمبند شدہ سفرناموں میں کی گئی ہے۔ ظاہر ہے ایک جھلک پر مختلف رجحانات ملتے ہیں، یہ سفرنامہ نگاروں کے مشاہدات پر منحصر ہے کہ ایک عنصر کو اپنی آنکھ کے کیمرے سے کیسے دیکھتے ہیں!

---

[1]اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف تہران

آدھی صدی کے عرصے میں سفرناموں میں ایسی تصاویرو عناصر ملتے ہیں جو مسلم طور پر ایران سے جڑے ہوئے ہیں۔ ایران کے بارے میں یہ سب سفرنامے دائرہ المعارف کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں سماجی، معاشرتی، سیاسی، معاشی، ثقافتی وغیرہ جیسے مختلف موضوعات پر اچھی اور کارآمد معلومات مل جاتی ہیں۔

ہم ان سفرناموں کی تجزیہ نگاری کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ مختلف طبقات او ر مختلف سوچ رکھنے والے اپنے تاثرات اورخیالات کی بنا پر سفر کی رودادبیان کرتے ہیں ایسا کہہ سکتے ہیں کہ ہرایک اپنے سفر کے مقصد کے تناظر میں ایران کو دیکھتا اور سفرنامہ قلمبند کرتا ہے۔ سفرناموں کی کثر ت کی وجہ سے وہ سفرنامے جو پورے کے پورے ایران کے بارے لکھے گئے ہیں ان میں سے چند منتخب جو زیر مطالعہ آئے ہیں۔ وہ بشرح ذیل ہیں:

افضل علوی فارسی زبان کے ورکشاپ میں شرکت کرنے سنہ 1977 ء ایران تشریف لائے۔مختار مسعود آر سی ڈی کے رکن کی حیثیت سے 1978 ءایران آتے ہیں۔ محمد صلاح الدین، 1981ء، ارشاد احمد حقانی 1983ء، سعد گیلانی 1988ء، آفتاب سومور 1996ء، ظہور احمد اعوان 1999ء، زبیر شفیع غوری 2014ء، بشری فرخ، 2014 ء، زاہد منیر عامر 2015ء،مشرف مبشر 2016 ء میں ایران کی مختلف تقاریب جیس اسلامی انقلاب کی سالگرہ، آیت اللہ خمینی (رض) کی برسی اور علمی و ادبی کانفرس میں شرکت کرنے کے لیے کے دعوت دی گئی۔ سید علی اکبر رضوی 1993 ء، صفدر ہمدانی 2004ء، الطاف شیخ 2007ء،انوار احمد بگوی و فرحت احمد بگوی 2007ء، بلقیس ریاض لگ بھگ 2008ء میں ایران تشریف لائیں۔ نگار سجادنے 2013ء میں سیاح کے طورپر ایران کا سفر کیا۔ ان افراد میں سے مختار مسعود،اسعد گیلانی، زبیر شفیع غوری سیاسی و مذہبی شخصیت کے مالک ہیں اور انہوں نے اسی حیثیت سے ایران کو دیکھا ہے؛ اسعد گیلانی، محمد صلاح الدین، ارشاد احمد حقانی، آفتاب سومور، ظہوراحمد اعوان اور صفدرہمدانی نے صحافت سے وابستگی کی رو شنی میں سیاسی ومعاشرتی اور تہذیبی مسائل کودقت نظری سے دیکھا ہے اور ہر مسئلے کا پس منظر تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔" ارشاد حقانی کا شمار ملک کے ممتاز صحافیوں میں ہوتاہے اور سیاسی تجزیہ نگاری کی حیثیت سے انہیں کافی شہر حاصل ہے۔ یہ کتاب بھی ان کی تجزیہ نگاری اور حقیقت آفرینی کا منہ بولنا ثبوت ہے۔ اس کتاب[انقلاب ایران] میں انہوں نے ایرانی قوم کے صحیح فیصلے کو سراہا ہے اور اسے موجودہ دور کی ضرورت قرار دیا ہے۔ مصنف نے دور آمریت کا بھی ذکر کیا ہے کہ اس سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ بالاخر انقلاب کا باعث بنیں"[2]

افضل علوی، بشری فرخ، زاہد منیر عامر اور مشرف مبشرنے ادیب ہونے کی حیثیت سے معاشرے پر نظر ڈالنے کے ساتھ ساتھ تہذیبی اور ادبی پہلو کو زیادہ اجاگر کیا ہے۔الطاف شیخ،جہاز رانی میں چیف انجینئر ہونے کی وجہ سے کافی ملکوں کا سفر کرچکے ہیں، ایران بھی ان میں سے ایک ہے۔ بگوی طبیب ہیں جو اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ ایران آئے تھے۔ بلقیس ریاض خود ایک ادیبہ ہیں،وہ اپنے میاں کے ساتھ پی۔آئی۔اے کی مشہد کے لیے افتتاحی پرواز میں مہمان کی حیثیت سے تشریف لائیں تھیں، اس لیے ان کو معاشرتی اور سیاسی مسائل کا سراغ لگانے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے " اپنے احساسات و تاثرات، جذباتی عمل اور ردعمل کے ساتھ ساتھ تہذیبی و ثقافتی جھلکیاں بھی اپنے سفرنامونمیں پیش کی ہیں۔ " [3]

اور ان کے یہ تاثرات ان کے ایرانی سفرنامہ میں بخوبی نمایا ں ہیں۔ نگار سجاد ظہیر ادیبہ ماہر تاریخ ہیں اور وہ ایران کے ہر کونےپر تاریخی پس منظر اور تاریخی مسائل کو جانچتی نظر آتی ہیں۔ سید علوی رضوی مذہبی شخصیت کے مالک تھے سو انہوں نے مختلف مسائل کو خوب دیکھتے ہوئے مذہبی جگہوں اور موضوعات پر گہری نگاہ ڈالی ہے۔ افضل علوی اور مختار مسعود اسلامی انقلاب سے پہلے ایران پہنچ گئے اور انقلاب کے ایام ایران میں بسرکرتے ہوئے انقلاب کے فوراً بعد کی آنکھوں دیکھی تبدیلیوں کی تصویر کشی کی ہے۔" افضل علوی کا سفرنامہ " دیکھ لیا ایران" قدیم و جدید ایران کے درمیان ایک پل تعمیرکرتا ہے۔ 1977 ء کا یہ سفرنامہ اگر ایک طرف ایران کی قدیم روایات کی یادتازہ کرتا ہے تو دوسری جانب جدید ترقیات اک تجزیہ بھی کرتا ہے اور اسی کے ساتھ آنے والے انقلاب کی جانب اشارہ کرتا نظرآتا ہے۔"[4]

اسی طرح مختار مسعود نے " فساد اور ہنگامہ،ہڑتال اور تالابندی، گولی اور گرفتاری اور سب سے بڑھ کر بے تحاشا خون کو بہتے دیکھا۔۔ انہوں نے انقلاب ایران کو اس طرح سیمٹا کہ جب چاہا نظر جھکا کر دیکھ لیا۔" (5)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف زاویہ نگاہ کے مالک افرا د نے طرح طرح کی نگاہیں ایران پر ڈالی ہیں اسی وجہ سے مختلف تاثرات و جذبات اور خیالات مختلف زاویوں سے ایران کے ہر گوشے پر مل جاتے ہیں۔ کسی نے تاریخی نظر سے ایران کو دیکھا ہے، کسی نے سیاسی، کسی نے علمی، کسی نے ادبی اور کسی نے ثقافتی منظر سے نظر ڈالی ہے۔ کبھی ایک ہی موضوع پر مختلف رجحانات اور رد عمل دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ کبھی شناخت کی کمی یا دوسروں سے ٹھیک معلومات نہ ملنے کی وجہ سے، اخذ شدہ مشاہدہ درست نہیں ہوتا پھربھی ان سب سفرناموں سے اخذ شدہ معلومات کو اکٹھا کیا جائے تو "ایران شناسی" (ایران کا مطالعہ) کے لیے اہم مآخذ ثابت ہوسکتےہیں۔

ایک بات تمام سفر ناموں میں مشترک اور وہ یہ کہ جس کسی نے جس حیثیت سے بھی ایران کا سفر کیا ہو مگر سبھی سفرنامہ نگار وں نے اپنے سفر میں ایران کے معاشرتی پہلو کو مد نظر رکھا ہے۔ الطاف شیخ اپنے سفر کا مقصد کچھ یوں بیان کرتے ہیں :" " ادبی، سیاسی، معاشرتی اور سوشل مقامات، پارک، تھیٹر اور ان سے متعلق رکھنے والے افراد سے ملنے کے ارادے سے کررہا تھاتا کہ میں اپنے اس پڑوسی ملک کے بارے میں بھی ایک عدد سفرنامہ لکھ سکوں۔"(6)

سب سفرناموں میں ایک اور مشترکہ خصوصیت یہ دکھائی دیتی ہے کہ تہذیب و ثقافت اور رسوم و روایات کی عکاسی کے علاوہ کئی پہلوؤں کا اپنے ملک اور قوم کی تہذیب اور رسوم و رواج سے موازنہ بھی کیاگیا ہے۔اس خصوصیت نے نہ صرف ان سفرناموں میں ثقافتی اور تہذیبی رنگ پیدا کیا ہے بلکہ اس میں مقامی رنگ بھی پیدا کیا ہے۔ یہاں حالیہ دہائیوں میں منتخب سفرناموں کا مطالعہ کرتے ہوئے،معاشرتی تناظر سے ان کی تجزیہ نگاری کی جارہی ہے۔

جنگ سے متاثر ہ حالات

جب سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا اس سے پیدا شدہ نسلوں میں لڑائی ہوتی چلی آرہی ہے۔ آہستہ آہستہ دنیا میں پھیلاؤ آیا، انسانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور قومیں وجود میں آنا شروع ہوئیں، اس اضافہ کے ساتھ ساتھ "جنگ" کے دامن میں بھی وسعت آئی۔ جنگ کی نوعیت بدلتی رہتی ہے، اسی طرح اس سے مرتب شدہ اثرات میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ ہر جنگ کے دوران نئی پیدا شدہ صورتحال کا سامنا ہوتا ہے اور اس کے اختتام کے بعد اور طرح کی صورتحال ہوتی ہے اور ہرپہلو کروٹ بدلچکا ہوتا ہے، چنانچہ جنگ سے دو مختلف سطحوں میں مختلف حالات پیدا ہوتے ہیں؛ جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد۔ سن 1980ء سے لے کر 1988ء تک ایران نے عراق کے ساتھ جاری رہنے والی جنگ کا دور گزارا۔ جنہوں نے ایران کا سفر کیا، اس جنگ کے متعلقہ حالات اور زیر اثر واقعات کا مختلف زاویوں سے بغور جائزہ لیا ہے۔ایران عراق آٹھ سالہ جنگ کے دوران پاکستان سے ارشاد احمدحقانی اور اسعدگیلانی نے ایران کا دورہ کیا اور انہوں نے جنگ کے زیر اثر موجودہ حالات کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیاہے۔ اسعد گیلانی جنگی معذورین سے ملاقات کرتے ہوئے کہتے ہیں:" ان میں بڑی تعداد کو حکومت نے ان کی ضرورت کے مطابق سامان نقل و حرکت فراہم کردیا ہے۔ ایک بڑی تعداددستی سائیک لوں پر بیٹھ کر ادھرادھر حرکت کرتے ہیں اور بعض ابھی تیمارداری او ر بیمار ی کے مراحل سے گزررہے ہیں۔۔۔۔۔ قابل تعریف بات یہ ہے کہ ان کے حوصلے بلند ہیں۔ ان میں بعض لوگوں کو افسوس ہے کہ انہیں شہادت نصیب نہیں ہوئی او روہ اب بھی کسی صورت میدان جنگ میں جاکر داد شجاعت دینا چاہتے ہیں۔ ان میں درجہ اول کاجذبہ شہادت پایا جاتا ہے اور یہ فی الحقیقت مجاہد قوم کے افراد دکھائی دیتے ہیں" (۷)

> " آسایشگاہ جانبازان انقلاب ثاراللہ" ایسا ہاسپٹال ہے جہاں جنگی معذورین کا علاج کیا جاتا ہے۔ ارشاد حقانی یہاں کا دورہ کرکے گیلانی سے ملتے جلتے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں :" یہاں ہم نے دیکھا کہ علاج معالجہ کی بہترین سہولتیں میسر تھیں۔مریضوں کی دیکھ بھال بہت ہی عمدگی سے کی جارہی تھی۔۔۔"(8)

عام طو پر جنگ کے دوران، ملک کو طرح طرح کی مشکلات سامنا کرنا ہوتاہے، جنگ

زندگی کے سارے پہلوؤ ں پر گھمبیر اثر ڈالتی ہے، گیلانی ایک پہلو کو جنگ کی زد میں نہ آنےکے بارے میں لکھتے ہیں:" اشیا خوردنی بھی جنگ کے باوجود ہر قسم کی ہر جگہ موجود تھی " [9]

سفرناموں میں قبرستان کی طرف خاص توجہ

ہر مذہب و قوم میں اللہ کے پیاروں کے لیے خاص روایتیں ہوتی ہیں، یہ روایتیں اور رسومات، ثقافت سے وابستہ ہیں۔قبرستان، یعنی جہاں مرنے والے کو ابدی گھر ملتا ہے، وہ اس جگہ کے باشندوں کی سوچ، عقیدے اور معاشرتی تہذیب کا عکاس ہوتا ہے۔ اکثر سفرکرنے والے ایران کا قبرستان چاہے تاریخی ہو چاہے عام سا ہو،دیکھ کر اپنے تاثرات خاص انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اس معاملے میں د لچسپی کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ سفرنامہ نگار ایران میں "قبرستان" کا منظر، اپنے یہاں سے بالکل مختلف پاتے ہیں۔ایران کے تاریخی قبرستان زیرعنوان مقالے کی حد سے باہرہیں اس لیے اس قسم کے قبرستان پر مشاہدات و خیالات کو نظرانداز کرتے ہیں۔ باقی قبرستانوں کو دو تناظر میں دیکھاگیا ہے،ایک شہدا سے متعلق او ر د وسرا عام سی روایت سے متعلق۔ سفرناموں میں شہدا کے مزار توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ یہ مزارات دو طرح کے شہدا پر مشتمل ہیں، ایک اسلامی انقلاب برپا ہونے کے لیے جو اپنے وقت کی حکومت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے یا خفیہ طور پر سیاسی سرگرمیاں رکھتے ہوئے اپنی جان سے گزر ے اور دوسرے آٹھ سال ایران عراق کی جنگ میں جن لوگوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے ملک کا دفا ع کیا۔ تہران سے باہر ایک بڑا قبرستان "بہشت زہرا" کے نام سے وسیع رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ وہاں شہدا کے مزارات کا الگ حصہ ہے جس کو " قطعۂ شہدا" کہا جاتا ہے۔مختار مسعود قطعہ شہدا کو انقلاب سے جوڑدیتے ہیں اور اس کی اہمیت کو مزید روشناس کراتے ہیں۔ان کے بیان میں جوشیلہ پن امنڈ تا ہوا محسوس ہوتا ہے جس میں مشاہدہ اور تاثر ساتھ مل کر اظہار پاتے ہیں:

> " میں بہشت زہرا پر الودا عی نظر ڈالتا ہوں۔ انقلاب ایران کا سب سے معتبر گواہ بہشت زہرا کا قبرستان ہے۔ بے شک انقلاب کے دنوں میں ایک گواہ اس سے بھی زیادہ اہم ہوا کرتا تھا۔ اس کا نام خیابان شاہ رضا تھا۔ آج کل اسے خیابان انقلاب کہتے ہیں---- لیکن بہشت زہرا کی بات ہی کچھ اور ہے۔ وہ آج بھی انقلاب کا ایک عینی گوا ہ ہے۔ سارا ثبوت اور ساری شہادت اس کے سینے میں دفن ہے۔ لوگ اس کی گواہی سننے اور اس کے سینے کے داغ دیکھنے کے لیے ہجوم در ہجوم یہاں جمع ہوتے ہیں" [10]

ایران کے سبھی شہروں کے قبرستانوں میں " قطعہ شہدا" کی نمایا ں طور پر نشاندہی کی جاتی ہے۔اسعد گیلانی بھی بہشت زہرا اور مشہد کے قبرستان ِشہدا کی منظر کشی کرتے ہوئے وہاں سے سیاسی اور تاریخی پہلو نکالتے ہیں:

> "ایران کا کوئی شہر ایسا نہیں جس کے قبرستان شہدا کی قبروں سے لالہ زار نہ ہوں۔ بہشت زہرا تہران میں 12 میل کے فاصلے پر قبرستان ہے جس میں 45 ہزار سے زائد نوجوان شہدا کی قبریں ہیں جن پر ان کی پیدائش اور وفات کی تختیاں لگی ہیں۔مشہد میں 10میل کے فاصلے پر بہشت زہرا ہے جس میں 15ہزار سے زائد شہدا کا گلستان لہلہارہا ہے۔۔شہدائے انقلاب اسلامی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کے ہاتھوں صدیوں بعد ایک جابر ملوکیت ان کے خون کے دریا میں غرق ہوگئی ہے۔"[11]

اسی طرح گیلانی "بہشت زہرا" کا تاریخ سے پیوند جوڑتے ہیں او رمزار شہدا ءکا پس منظر پیش کرتے ہیں اور اپنے سیاسی اورتاریخی شعور کو اندرونی جذبات کے ساتھ ملا کر متاثر کن لہجے سے "بہشت زہرا" اور " قطعہ شہدا" کی اہمیت کو اجاگرکرتے ہیں:

> " اس قبرستان نے اب تاریخی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ اس قبرستان میں تحریک اسلامی ایران کے شہدا کا ایک پربہار قافلہ دفن پڑا ہے۔ اس روز تقریبات انقلاب کا افتتاح ہورہا تھا اس لیے پورا تہران اُمنڈ کر باہر نکل آیاتھا۔ جب امام خمینی اپنی 16سالہ ہجرت اور جلاوطنی گزار کر پہلی بار ایران میں ایک فاتح کی حیثیت سے واپس آئےتھے تو انہوں نے سب سے پہلے بہشت زہرہ میں جاکر شہداء کی قبروں پر فاتحہ پڑھی تھی اور قوم کو اسی جگہ سے خطاب کیاتھا۔ آج ایران میں جو اسلامی انقلاب موجود ہے یہ انہیں شہداء کی قربانیوں کا ثمرہ ہے اس لیے ہر سال انقلاب کی تقریبات کا آغاز بہشت زہرہ مین شہداء کی قبروں پر فاتحہ خوانی سے ہی ہوتا

ہے۔ یہ اُ ن زندہ انسانوں کی قبریں ہیں جن کی قربانی نے ایران کو اسلامی نظام عطا کیا ہے۔ ان کے احسان سے ملت ایران کبھی عہدہ برآنہیں ہوسکتی۔"[12]

دوسرا منظر ان شہدا کا ہے جنہوں نے ایران و عراق کی آٹھ سالہ جنگ میں اپنی جان کو وطن کے لیے قربان کردیا۔حقانی بہشت زہرا، "قطعہ شہیدان" کا منظر بیان کرکے اسلامی انقلاب سے پیدا ہونے والے راستے اور ایران،عراق کی جنگ میں شہیدوں کے ایثار کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں او ر او راس جگہ کو "عشق " کا مرکز سمجھتے ہیں۔ حقانی کے اس پرجوش اظہا رخیال سے بہشت زہرا خاص طور پر "قطعہ شہدا" میں چھائی ہوئی معنویت کا ادارک ہوتا ہے۔ در اصل حقانی، بہشت زہرا پر تاریخی، معاشرتی اور تہذیبی نگاہ ڈالتے ہیں:" بہشت زہرا سے ایرانی قوم کی وابستگی عشق کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت اللہ خمینی نے اپنی چودہ سالہ جلاوطنی کے بعدایران واپس آنے پر اپنی پہلی بڑی تقریر اسی قبرستان میں کی۔ اس قبرستان کی عام فضا اورجمعرات کی شام کو ہزاروں افراد کی وہاں موجودگی اور آہ ہ بکا کا منظر بڑا اثرانگیز تھا اور اس سے ایرانی قوم کی موجودہ جذباتی اور نفسیاتی کیفیت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔ ہماری وہاں موجودگی میں محاذ جنگ سے دو لاشیں لائی گئیں انہیں جس طرح قبروں تک پخچایا گیا اورجس طرح پرجوش انداز میں رجزیہ نغمے گائے گئے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ایران عراق جنگ صرف مسلح افواج کا دردسرنہیں، پوری قوم جذباتی طور پر پوری طرح اس میں شریک رہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہے"[13]

ایران کے قبرستانوں کا پر رونق اور پر فضا ہونا اس وجہ سے ہے کہ ایران کے قبرستان تہذیب و ثقافت کا حصہ ہیں او را س کا ثبوت ہمیں اردو سفرناموں میں ملتا ہے۔ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے مناظر کی تصویر کشی کی ہے وہ وہاں کی انوکھی کیفیت کے قائل بھی ہوئےہیں۔ البتہ سفرنامہ نگار کہیں کہیں قبرستان کو ایک تفریحی مکان پاکر حیران ہوتے ہوئے وہاں پر لوگوں کے رسم و رواج پر نکتہ چینی بھی کرتے ہیں:

" قبرستان ہونے کے باوجود، یہاں ہر قسم کی سہولت موجود تھی،یہاں کھانے پینے کی ہرچیز موجود ہونے کے ساتھ ساتھ ایک لائبریری بھی تھی، جہاں بہت معلوماتی فلمیں بھی دکھائی جاتی تھیں، لہذا یہاں پر بہت سے افراد تفریح کی غرض سے بھی آتے تھے، جو اپنے ساتھ پکنگ کی طرح کھانے پینے کی اشیا بھی لاتے تھے۔تمام قبریں، بہت ہموار اور بڑی ہی ترتیب کےساتھ بنی ہوئی تھیں اور ان کے کتبوں پر ان شہیدوں کا مختصراً احوال بھی درج تھا۔ ہم نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے جو توں سمیت قبرو ں کے اوپر گھوم رہے تھے۔ بقول ان کے اس طرح ان مردوں کو ثواب ملے گا۔ مگر مجھے یہ جواب معقول نہ لگا اور نہ ہی اس بات کا اور کوئی جواز معلوم ہوا یا سمجھ میں آیا۔ " [14]

اسی وجہ سے شہدا کے مزارات کے علاوہ، قبرستان کا پورا ماحول ہی سفرنامہ نگاروں کے لیے دلچسپی کا باعث بنا ہے۔ جیسا بگوی نے اشارہ کیا ہے، ایران میں سب سے بڑا قبرستان، بہشت زہرا ہے۔ قبرستان میں جمعرات کو بھیڑ لگتی ہے، اسلامی عقیدے پر اسی دن لوگ اپنے مرحومین کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں، ان کے لیے خیرات کرتے ہیں، گھنٹوں ان کی قبر کے اردگرد بیٹھتے ہیں او راپنی اداسی دورکرنے کے لیے اپنے کھوئے ہوئے عزیز کو حاضر سمجھ کر اس سے باتیں کرتے ہیں۔ اس لیے ایرانی ثقافت میں " قبرستان" ایرانی قوم کی شناخت کا حصہ ہے اور اس قوم کی تہذیب کو صحیح سمجھنے کے لیے قبرستان کا دورہ کرنا لازمی ہے۔ بگوی بھی دوسرے سفرنامہ نگاروں کی طرح قبرستان پر تہذیبی و تاریخی سایہ چھایا ہوا دیکھتے ہیں:

" ایران میں قبرستان بھی ایک ادارہ ہے جسے بڑی ترتیب اور سلیقے سے بنا یاگیا ہے۔ بہشت زہرا تہران میں سب سے بڑا قبرستان ہے۔وہ آخری آرام گاہ کے ساتھ ایک تہذیبی اور تاریخی مرکز بھی ہے۔ جس قبر پرجانا چاہیں مرکزی دفتر سے رہنمائی مل سکتی ہے--یہاں سبھی قبروں کو ایک جیسا اور یکساں با سلیقہ بنایا گیا ہے۔ درخت،پھول اور جھاڑی دار راستے ہیں۔ دست شوئی او ر توالیت کا انتظام ہے۔ بہشت زہرا میں لوگ فاتحہ خوانی اور سوزخوانی کے ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی لے جاتے ہیں۔ بچوں کے لیے الگ سے کھیلنے کی سہولت میسر ہے" [15]

نگا ر بھی آفتاب سومرو کی طرح قبروں پر سے لوگوں کا گزرنا ناگوار سمجھتی ہیں، مگر وہ خود ا س ناگوار فعل کی تعلیل بیان کرتی ہیں:

"لوگ ان مسطح قبروں پر سے گزر رہے تھے۔در حالیکہ مرنے والوں کے ناموں میں محمد، عثمان، عمر، علی، ابوبکر، رضا، احمد، زینب، سکینہ، فاطمہ، عائشہ، ہر قسم کے نام کھدے ہوئے تھے، جو سیاحوں کے جوتوں کے نیچے آرہے تھے۔ ان ناموں کے ساتھ ہماری جو محبت وابستہ ہے اس کے پیش نظر شروع میں تو ہم تینوں ان قبروں سے بچ بچ کر گزرنے کی خاطر الانگتے پھلانگتے چلے لیکن پھر قدم قدم پر اچھلنا اور چھلانگیں لگانا ممکن ہی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی دیر بعد دیگر زائرین کی طرح ہم بھی ان ناموں اور قبروں کو پامال کرتے رہے جن کا عام حالات میں ہم تصور نہ کرسکتے۔ میں نے ایرانیوں سے زیادہ " مردہ پرست" اور کوئی قوم نہیں دیکھی" (16)

چنانچہ نگار کے اس اعتراف سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسرے خطے جاتے ہوئے، لاشعوری طور پر وہاں کی تہذیب کو اپنا، بنانا فطری بات ہے۔ اسی طرح نگارمشہد میں موجود خواجہ ربیع کے مزار کے ماحول پر تبصرہ کرتی ہیں، وہ " آرامگاہ" کو دیکھتے ہوئے ا س کو خاص ایرانی تہذیب سے تعبیر کرتی ہیں۔ آرامگاہ کئی کمروں پر مشتمل ہے او رہر کمرہ کئی قبرو ں کا مجموعہ ہے۔ عام طور پر ہر کمرہ پہلے سے کسی خاندان کو بک جاتاہے اور تا کہ لواحقین آرام سے ایک ہی دفعہ اپنے سارے اللہ کو پیارے ہوجانے والوں کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوجائیں۔ ایسی بھی آرامگا ہ ہے جس میں مختلف خاندانوں کے عزیز دفن ہوتے ہیں۔ بہرحال آرامگاہ میں قبریں دوسری قبرونسے مہنگی ہیں اور مردوں کو شاندار قبریں ملنے کے علاوہ لواحقین بھی آرام سے فاتحہ خوانی کے لیے وہاں بیٹھ سکتے ہیں۔ نگار اس بات پر ہلکا سا طنز بھی کرتی ہیں:

" مشہد میں" شاندار مرکزی گیٹ سے داخل ہوئے تو نظروں کے سامنے خواجہ ربیع کا مزار تھا، گو کہ درمیانی راستہ طویل تھا۔ یہ ایک طویل و عریض احاطہ تھا جس میں چاروں طرف برآمدے تھے، ان برآمدوں میں قطار سے بنے ہوئے متعدد کمرے، اور ان کمروں میں قبریں تھیں۔ یہ چیز صرف ایران ہی ہے جہاں مردے کمروں میں رہتے ہیں" (17)

ایران میں قبرستان، خاص طور پر بہشت زہرا اور "قطعہ شہداء" کی تصدیق ایسے پھیلاؤ کے ساتھ سفرناموں میں مل جاتی ہے کہ بشری فرخ اپنے سفرنامے کا عنوان " بہشت زہرا میں سوئے شہیدوں کے نام" چنتی ہیں۔

شہری تصویر

جب کسی ملک کا سفرکیا جاتا ہے، چاہے اس ملک کی سماج، تہذیب،سیاست اور تاریخ کے حوالے سے کوئی پہچان نہ بھی ہو مگر آنکھوں کے کیمرے سے برآمدہوئے براہ راست مشاہدات کسی پہلو کا واضح نقشہ سامنے لے آتے ہیں، تاثرات جیسے بھی ہوں، مسافر اچھا پہلو نکالے یا خامی نکالے، تاثر بجائے خود اہمیت کا حامل ہے مگر اصل بات، دیکھاہوا یا محسوس کیا گیا منظر ہےجو بیان ہوا ہے۔ ایک قابل غور بات یہ ہے کہ بیان کیا گیا منظر کس دَور سے متعلق ہے کیونکہ تہذیبی زندگی کا رنگ اندرونی یا بیرونی جھنجھوڑسے کبھی دھیرے دھیرے اور کبھی اچانک بدل جاتا ہے۔

کسی ملک کی شناخت کےلیے جیسی معلومات سفرناموں سے سے ملتی ہیں، دوسری کتابوں میں مشکل سے پائی جاتی ہیں۔ سفرکرنے والے کو اپنی تحریر کے ثبوت کےلیے اپنی آنکھوں کے سوا کسی اور ماخذ کی ضرورت نہیں ہوتی اورآنکھ سے دیکھے ہوئے مناظر میں خطا کا امکان کم ہوتا ہے جیسا کہ نگار کہتی ہیں:

"ایرانی سیرو تفریح کے خاصے دلدادہ ہیں، شہروں کے درمیان بھی آمد و رفت بہت زیادہ ہے"(18) یا "ایران میں عام طو رپر فقیر نہیں ہوتے او رجو ہوتے ہیں، وہ فقیر نہیں لگتے"(19)؛ وہ کسی جواز کے بغیر اپنے مشاہدات بیان کرتی ہیں، اسی طرح بگوی کو حیرت " ایران میں حیران کن حد تک شہروں میں کم سن مزدور نظر نہیں آئے"(20) اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ ا س منظر کا اپنے ملک سے موازنہ کررہے ہیں۔ ورنہ شاید کسی اور کے لیے کم سن مزدور نظر نہ آنا کوئی حیران کن بات نہ ہو۔ بگوی مزدوروں کے بارے میں ایک اور منظر دیکھ کر قابل بیان سمجھتے ہیں:" مزدوروں کے تحفظ کے لیے ربڑ کے لمبے بوٹ، بڑے دستانے اور کہیں کنٹوپ استعمال ہوتے ہیں" (21) بلاشبہ

یہ منظر وہ اپنے ملک سے مختلف پاکر قلبمند کرتے ہیں۔ بگوی کواپنے سفرنامے میں اکثر ایسے انوکھے واقعات کا سامنا ہوتا ہے، جو ایران میں شایدہی کسی کے لیے اہمیت کے حامل ہو ں اور ایرانی لوگ اپنے ملک میں اس بات کو عام سی بات سمجھتے ہوں گے۔

الطاف شیخ نے پانی کے جہاز کے ذریعے دنیا کے بہت سے ملکوں کا سفر کیا اور اپنے سفروں کے مشاہدات کو منظر عام پر لے آئے۔ وہ ایک نازک بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اگرچہ ان کی بات ایک اشارے کی حد تک ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کے اپنے اپنے مشاہدات و تجربات، پہلے سے سنی ہوئی اور پڑھی ہوئی باتوں کو رد کردیتے ہیں، یہاں تک کہ ان کا کسی مسئلے پر اظہار خیال، سیاسی اور تاریخی ماخذ سے زیادہ یقینی ہوتاہے:

" ایران آنے سے پہلے میں سوچتا تھا کہ ایران میں غیرملکی سیاح نہیں آتے ہوں گے---میں ایران کو ماؤزے تنگ کے چین کی طرح سمجھتا تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد پہلے ہی دن سمجھ گیا کہ ایران کے لوگ بے حد لیبرل ہیں۔ "[22]

سفرناموں میں کسی حیران کن یا نرالی بات کی وجہ تلاش کی جائے تو اس کا معیار اوربڑھ جاتا ہے۔ تہذیبی و ثقافتی زندگی کے ہر پہلو کا کوئی نہ کوئی پس منظر ہے، تہذیب کی کسی جھلک کے پیچھے سوچ، عقیدے اور قومی فطرت چھپی ہو تی ہے جس کا انکشاف سوائے اس کے نہیں ہوسکتا کہ اس قوم کے ساتھ اٹھا بیٹھا اور رہا جائے۔اس کی مثال مختار مسعود کا چونک اٹھنا ہے کہ تہران میں زیادہ بجلی استعمال ہوتی ہے اورگھروں میں ضرورت سے زیادہ بتیاں جلتی ہیں[23] مگر وہ ا سکی وجہ نہیں بتاتے ہیں۔ در اصل تہذیب و رواج کے سوا، ایران میں بجلی سستی ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ کفایت شعاری سے کام نہیں لیتے۔

کبھی بھی مسافر اپنی آنکھوں سے جو نہیں دیکھتا ا س کا انکا رکرتا ہے اور افراتفری میں نتیجہ اخذ کرتا ہے جس کی بات کو ماننے سے، غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، مثا ل کے طور پر مختار مسعود لکھتے ہیں:

" نامہ بر فارسی شاعری میں قدم قدم پر ملتا ہے مگر میں نے ایران میں اپنے قیام کی پوری مدت میں ڈاکیے کی شکل نہیں دیکھی۔ معلوم نہیں کشور ایران میں ہرکارہ ہوتا ہے یا مکتوب الیہ خود چل کر ڈاک خانہ جاتا اور خط وصل کرتاہے۔" [24]

حالآنکہ ایران میں ہخامنشی دور میں تیز رو گھوڑوں کے ذریعے اخبار، رپورٹس اور سرکاری خطوط شہروں میں پہنچ جاتے تھے۔ 24کلومیٹر کے بعد سوار اپنا گھوڑا بدل کر اپنا راستہ طے کرپاتاتھا۔ 1258ہ.ش/ 1879 ءمیں "محکمہ پوسٹ" قائم ہواس میں پوسٹ کا نظام نئےنئے طریقوں میں سرانجام پایااور ڈاکیا کے ذریعے خط اپنے مقصد تک پہنچ جاتا تھاڈاکیا خاص وردی سے پہنچاناجاتاتھا۔

بازار

ہر طبقے اور ہرقسم کے مسافروں کو بازار جانے کا شوق ہوتاہے، اس شوق کے دو مقاصد در پیش ہوں گے، اکثر لوگ اپنی مالی حیثیت اورضرورت کی بنا پر نئی نئی چیزیں لینے کے خواہشمند ہوتے ہیں یا اپنے سفر سے کچھ یادگار کے طور پر خرید کے گھرمیں رکھنے کے شوقین ہوتے ہیں یا واپسی پر دوسروں کو اپنے سفر کے تحفہ دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں جیسا خاص طور پر اس کا رواج مشرق میں ہے۔ باقی لوگ چاہے سفر پر شاپنگ کرنےکے قائل نہ ہوں اور اس کو ایک زائد کام سمجھتے ہوں پھر بھی بازارجانے کو ضروری جانتے ہیں۔ بازار، ہر ملک اور ہر شہر کی ثقافت کی نمایندگی کرتا ہے، اس کے علاوہ، معاشیات اور تعلقات عامہ کے حوالے سے کافی معلومات بخش ہوتا ہے۔ سفرنامہ نگاروں نے اپنے مختلف خیالات و تاثرات اس میدان میں پیش کئے ہیں۔ گیلانی ان افراد میں سے ہیں جو ہرچیز پر گہری نگاہ ڈالتے ہیں، وہ صرف ایرا ن میں بنی ہوئی چیزیں بکتی دیکھتے اور باہر سے سوائے چائنا کسی اور ملک کی شے ان کو بکتے نظر نہیں آتی:

" یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ تہران کے بازارو ں میں کوئی غیر ملکی شے موجود نہیں تھی--- ان بازاروں میں تمام چیزیں ایرانی ساخت کی تھیں--- چینی متعدد اقسام کی بازار میں ٹھیلوں پر بک رہی تھی او راس کی افراط تھی۔" [25]

گیلانی کی اس بات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ 1980 ء میں چائنا کا بازار بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکا تھا اور کم سے کم ایران میں اس کا بازاخوب گرم تھا۔ ایک اورجگہ گیلانی ایران کے بازار میں موجودہ فضا کااپنے ملک کے ماحوال سے تقابل کرتے ہیں:

" بازاروں میں ہم نے کہیں گداگر بھی نہیں دیکھے۔ ہمارے ہاں جس طرح گداگروں کے لشکر آنے جانے والوں کا تعاقب کرتے ہیں یہ متوسط درجے کے رحم دل شرفا کے لیے مصیبت کا باعث بن گئے ہوئے ہیں ایسی حالت وہاں نہیں ہے۔" (26)

ظہور اعوان بھی اسی ملتا جلتا تاثر پیش کرتے ہوئے بازار میں صفائی سے متاثر نظر آتے ہیں او روہ بھی بھیک مانگنے والے سے بازار کو خالی پاتے ہیں:

" یہاں ہردکان صاف ستھری تھی۔ دکاندار صاف ستھرا تھا۔ گاہک صاف ستھرے تھے۔ میلے کچیلے اور گندے آدمی کہیں نظر نہ آئے۔ سڑک پر کہیں گندگی، کاغذ، پلاسٹک کا ٹکڑا دکھائی نہ دیا۔ بھکاری دکھائی نہیں دیتے" (27)

بازار کو دیکھ کر اس کی توصیف کرنا، دلچسپ بات ہے مگر اس کا اپنے وطن کے بازاروں سے مماثلت رکھنا اور زیادہ دلکش ہے۔ مشہد میں " بازار رضا" سفرکرنے والوں کے لئے جاذب توجہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کوئی " مشہد" جائے اور " بازار رضا" دیکھنے نہ جائے گویا اس کا یہ سفر ادھورا رہ گیا جیسا کہ ہر سفرنامے میں اس بازار کا ذکر ضرور ملتا ہوگا۔ رضوی نے یہ روایتی بازار دیکھ کر اپنے ملک کو یاد کرتے ہیں اور اس کو بوہری بازار اور انارکلی سے ملتا جلتا پاتے ہیں ؛

"بازار رضا کو یوں سمجھیے کراچی کا بوہری بازار یا لاہور کا انار کلی، فرق صرف اتنا ہے کہ انارکلی اور بوہری بازار گراوند فلور یعنی " کف دست" تک محدود ہیں لیکن بازار رضا پہلی منزل یعنی طبق بالا پر بھی ہے۔"(28)

<u>سماجی بہبود</u>

سیاح سب سے زیاد ہ اپنی نگاہ معاشرے پر دوڑاتا ہے۔معاشرے میں سہولتیں جتنی زیادہ ہوں وہ بھی ان سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔خاص طور پر سیاحوں کی رضامندی اور سکون کے لیے زیادہ اسباب کی فراہمی ہوجائے تو پھر سفر کی روداد، تعریف اور داد و تحسین سے بھرپور ہوتی ہے۔ عام طو رپر ہر سیاح کے لیے ہوٹل، ٹرانسپورٹ کے ذرائع، کھانے پینے کا انتظام، مرکز توجہ ہوتا ہے او را س کے سفر کا دلی نتیجہ انہی پر مبنی ہوتا ہے۔ مشترکہ مذہب کی بنا پر مشترک ضروریات بھی سامنے آتی ہیں، مثال کے طورپر گیلانی مشہد کے ایک ہوٹل میں ٹھہرتے ہوئے اپنے تاثر کا اظہا رکرتے ہیں:" رات میں جس ہوٹل میں ٹھہرایاگیا اس کی یہ ادا بہت پسند آئی کہ ہرکمرے میں قبلے کے رخ نما، مصلی، قرآن مجید کا نسخہ او رچند دینی کتب رکھی ہوئی تھیں۔" (29)

نگار ٹرانسپورٹ کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور اس حوالے سے وہ اپنی رضامند ی کا اعلان کرتی ہیں:

" ایرانیوں کو سیاحتی ماحول فراہم کرنے کے لیے ایرانی حکومت نے خاصے اقدامات کئے ہیں۔ بسوں کا سفر آرام دہ بھی ہے اور سستا بھی----" (30)

مشرف شہروں میں جو حسن اور نظم و ضبط متاثر نظر آتی ہیں، وہ اپنے تاثرات کا اظہارکرتے ہوئے اس کو بلدیاتی نظام کی اچھی کارکردگی کانتیجہ جانتی ہیں:

" ایران کے شہروں کے بلدیاتی نظام ایسے مستحکم اور مربوط ہیں کہ معاملات بخوبی چلائے جاتے ہیں۔ بلدیاتی محکموں نے تمام مزارات اور مقابر کے مالی اور انتظامی معاملات خود سنبھال رکھے ہیں--- سرکاری سطح پر تمام انتظامات کی ذمہ داری بحسن خوبی نبھائی جاتی ہے۔ صفائی ستھرائی اور انتظامات کا اعلی نظام ہر جگہ موجود ہے"(31)

کبھی سفر ناموں سے کسی ملک کی ایسی خامیاں منظر عام پر آتی ہیں جن کو صرف غیر ملکی سیاح ہی محسوس کر سکتے ہیں۔زاہد منیر اپنے پہلی دفعہ ایران کے سفر ذکرکرتے ہوئے زاہدان سے تہران کی طرف جانے والے جہاز کے بارے میں لکھتے ہیں۔ گو کہ و ہ ہوائی جہاز کی اچھائیوں کی نشاندہی کرتے ہیں مگر ان کے غیرملکی ہونے کی وجہ سے ایک کمی ان کو نظر آتی ہی جس

کی وجہ سے ہوائی جہاز ان کے معیارات پورا نہیں اترتا :

" نہایت خوبصورت طیارہ، صاف ستھرا ماحول، کشادہ، پرواز روانہ ہوتے ہی کھانا آیا۔ خوبصورت پیکنگ عمدہ معیار۔ روان پاک بنیان گزار انقلاب جمہوری اسلامی ایران پرد رود اور مسافر وں کی پیروزی و موفقیت کی دعا کے ساتھ ضروری اعلانات ہوئے مگر صرف فارسی میں، انگریزی میں ترجمہ کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہے، حالانکہ زاہدان کا ایرپورٹ انٹرنیشنل ہے، پیکنگ میں بہت زیادہ احتیاط بلکہ بے اعتمادی کا مظاہرہ کیا گیا تھا شاید ایسا کرنا ضروری ہو۔"(32)

ان کی طرف سے ذکر شدہ خامی بالکل بجا ہے۔ چاہے قومی فلائیٹ ہی کیوں نہ ہو، اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ جہاز میں کوئی غیرملکی مسافر موجود ہو سکتا ہے تو پھر فارسی کے علاوہ، بین الاقوامی زبان میں بھی اعلان ہونا چاہئے۔ سفرناموں میں یہی خوبی ہے کہ سفر سے متعلق کہی گئی اچھائیاں اور کمزوریاں، ملک کی ترقی اور بہتری کے لیے کارآمد ثابت ہوسکتی ہیں۔

معاشرتی رہن سہن

ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد، اسلامی اصولوں کے مطابق،خواتین کے لئے حجاب ایک لازمی قانون ٹھہرا۔ دنیا میں اس بات پر کافی ہنگامہ ہوا۔ خاص طو ر پر یورپ میں ان خبروں کا بڑا چرچا ہوا۔ جن لوگوں نے ایران کو انقلاب کے بعد نہیں دیکھا، ایسا سمجھے کہ خواتین پر سخت پابندی لگی ہوئی ہوگی اور ان کو معاشرے سے کاٹ کر گھروں میں مقید کردیا ہوگا۔ پاکستان سے جن لوگوں نے ایران کا سفر کیا وہ یہ بات بخوبی جان گئے کہ ایسا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے ایرانی خواتین کو پردے میں دیکھ کر تسلی کا اظہار کیا اور اس کو معاشرے میں فساد کی روک تھام کے لئے اہم عنصر جانا اور پھیلی ہوئی افواہوں کے خلاف ایرانی خواتین کو معاشرے میں اہم رکن کے طور پر پایا۔ گیلانی جمعے کی نماز میں خواتین کو دیکھتے ہوئے اظہار خیال کرتے ہیں:

" بلامبالغہ کئی لاکھ کا ہجوم تھا اور ایک لاکھ سے زائد تو خواتین ہی ہوں گی جو سب کی سب باپردہ لباس میں ملبوس تھیں۔ بلاشبہ انقلاب ایران نے خواتین کو ان کا صحیح مقام دے کر انہیں محترم و معزز بنا دیا ہے۔"(33)

اسی طرح اس سے آگے بڑھ کر سیاسی عہدوں پر خواتین کی طرف اشارہ کرتے ہیں:" ایران میں بعض خواتین مجلس خبرگان کی بھی ممبر ہیں اور وہ اپنے طور پر خواتین کی نمائندگی کرتی ہیں۔"(34)

محمد صلاح الدین انقلاب کے تین سال بعد ایران کا منظر پیش کرتے ہوئے خواتین کے پردے کو پردہ سراہتے ہیں اور ایرانی خواتین کاوقار اور روپ، اقبال کی شاعری کے مصداق کے طور پر کہتے ہیں : " آج ایران ایک زبردست اخلاقی انقلاب کی تصویر پیش کرتا ہے۔ صاف ستھرے اور پاکیزہ ماحول میں ہزاروں لڑکیاں چادروں میں ملبوس سڑکوں اور بازاروں میں نظر آتی ہیں۔ ہزاروں نوجوان ان کے ارد گرد موجو د ہوتے ہیں۔ لیکن اخلاق سے گرا ہو ا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوتا۔ ایک نے اپنے گردحیا کا حصار قائم کرلیا ہے اور دوسرا اس حصار کا نگہبان نظر آتا ہے۔چادر اور چار دیواری کی حفاظت کیسے ہوتی ہے اس کاحقیقی مفہوم ایران جاکر سمجھ میں آیا اور اقبال کے اس قول کی صداقت بھی وہیں آشکار ہوئی : نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد-----" (35)

یہ صرف چند مثالیں پیش کی گئی ہیں؛ اردو سفرنا موں میں ایرانی خواتین کو سراہے جانے کی بھرمار ہے۔ ایران میں خواتین کی صورتحال کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے اردو سفرنامے پڑھنے کی اشد ذضرورت ہے تاکہ غیر جانب دار مصنفین کے آنکھوں دیکھے حالات سے صحیح معلومات مل سکیں۔

کسی ملک جاکر اگر گہرائی سے نظر نہ بھی ڈالی جائے تو سرسری طور پر دیکھنے میں ہی محسوس ہوتا ہے کہ معاشرہ طبقاتی تضاد سے دوچار ہے یا نہیں! یاکونسا طبقہ ملک میں آبادی کے لحاظ سے زیادہہے خوشحال یا غریب! محمد صلاح الدین کے سفرنامہ میں اس بات کی نشاندہی ملتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ محمد صلاح الدین نے ایران کے حالات کو صرف ظاہری سطح تک نہیں دیکھا بلکہ ہر حالت کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے پھر اپنی رائےکا اظہار دلائل کے

ساتھ کیا ہے:

" پردے کے علاوہ جو دوسری چیزیں غیر معمولی تبدیلی کا تاثر دیتی ہیں وہ معاشرےکی یک رنگی ہے۔ پہلے مختلف طبقات کے تہذیبی دائرے الگ الگ تھے اب یہ سب ٹوٹ پھوٹ کر ایک ہی رنگ میں رنگ گئے ہیں۔ نئی اور ابھرتی ہوئی تہذیب پر اسلام کاگہرا رنگ غالب ہے----- لیکن انقلاب کا عمل اپنے اثرات سامنے لارہا ہے۔غریب کااحساس کمتری رخصت ہورہا ہے--- خمینی صاحب اپنے انقلاب کو مستضعفین (کمزور اور پسماندہ اورکچلے ہوئے لوگ) کا انقلاب کہتے ہیں جو مستکبرین کی کمر توڑنے کے لیے لایا گیا ہے۔"(36)

معاشرے میں یکرنگی کا احساس غوری کو بھی ہوا ہے۔ وہ ان سب لوگوں کے کئی سال بعد ایران کا سفرکرتے ہیں۔ یہ ہوسکتاہے کہ ان برسوں میں کوئی ایسا فرق آیاہو اس لیے کہ وہ طبقاتی فرق کو کسی درجے تک محسوس کرتے ہیں مگر معاشرتی رنگوں میں فرق کے باوجود انسانی عزت و وقار میں کوئی کمی ان کو دکھائی نہیں دیتی۔ وہ خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ تحقیق کے لئے نہیں بلکہ صرف اپنے مشاہدات او رتاثرات کی بناپر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ اکثر سفرنامے مشاہدات و تاثرات پر ہی قائم ہیں اس لیے سفرنامے اہم مآخذ میں شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ انسان اپنے آ پ کو دھوکا نہیں دیتا ہے اور عام طور پر جذبہ او رتاثر سے صحیح نتیجہ نکل آتا ہے:

" خاص بات جو اچھی لگی وہ بنیادی سہولتوں کا ممکنہ حد تک یکسانیت کے ساتھ تمام لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرنا تھی۔ طبقاتی تفاوت یقیناً نظر آیا لیکن رویوں میں فرق اس درجہ کا نہیں جس کاسامنا عموماً ہمارے ہاں کرنا پڑتا ہے۔ ماتحت، افسروں کو احترام دیتے لیکن افسر بھی ان کے دائرہ کار اور انہیں فراہم کردہ اختیار کو وزن دیتے دکھائی دیے۔ کبھی کبھی ایسا بھی لگا کہ یہ صورت حال اختیاری نہیں۔ کوئی نادیدہ قوت اس امر کا اہتمام کروانے کے لیے غیر محسوس انداز میں نگران ہے۔ میں اپنے مختصر قیام کے تجربے کے تحت یہ بات حتمی طورپر نہیں کہہ سکتا، فقط احساس تھاجس نے میرا احاطہ کیا ہوا تھا۔" (37)

اردو کے سفرناموں میں ایک اور بات جو ایران کے بارے میں بکثرت ملتی ہے ٹیکسی اور ٹیکسی چلانے والوں پر اظہار خیال ہے۔ نگار کا اس بارے میں تاثر ہے : " یہاں (تہران) کے ٹیکسی ڈرائیور بہت صاف ستھرے ہوتے ہیں، زیادہ تر کا لباس سفید ہوتا ہے، شائستگی سے گفتگو کرتے ہیں، اگر وہ ٹیکسی میں ڈرائیونگ نشست پر نہ بیٹھے ہوں تو آپ یہ سمجھنے کی غلطی کرسکتے ہیں کہ وہ کسی ادارے کا آفیسر ہے۔" (38) اس سے بخوبی یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایران میں روزگار اور پیشے کی بہت اہمیت ہے اور یہ اہمیت نوکری یا روزگار کی نوعیت سے کم نہیں ہوتی، نہ ہی کسی کی عزت یا اہمیت اس کی نوکری پر منحصر ہے۔

دوسرے ملک پر سفرکرنا ہو تو سب سے پہلے ہر کوئی خرچہ کا اندازہ لگاتا ہے اور اپنی بجٹ کے مطابق حساب کتاب لگاتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا کہ کوئی ایران آئے اور صرف ایک ہی شہر میں ٹھہرے۔ نگار سجاد ظہیر نے ایسی ہی بات کاانکشاف کیاہے جس کو پڑھ کر اخراجات کی پریشانی کا بوجھ ہلکا ہوجاتاہے۔ان کے کہنے کے مطابق ایرانی لوگ سفر کے دلدادہ ہیں، وہ زیادہ خرچہ سے بچنے کے لیے ہوٹلوں میں ٹھہرنے کے بجائے مناسب جگہ پر خیمہ ڈال لیتے ہیں:

"ایران میں تین ہفتے کے قیام کے دوران میں نے اندازہ لگایا کہ ایرانی خاندان اپنی گاڑیوں پر اسباب سفر لے کرنکل پڑتے ہیں، ہوٹلوں میں ٹھہرنے کے بجائے سڑکوں کے کنارے، پارکوں میں یا کسی بھی سبزہ زار پر پڑاؤڈالتے ہیں، اپنے خیمے نصب کرتے ہیں یا بغیر خیموں ہی کے رات گزار لیتے ہیں۔ صبح پھر اپنا سفر شروع کردیتے ہیں۔ امن و امان کی تسلی بخش صورتحال کے بغیر یہ ممکن نہیں۔"(39)

ایران کے کئی شہروں میں جیسے مشہد اور ایران کے شما لی علاقوں میں تو جیسے اس بات کا رواج ہے کہ ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کے علاوہ، لوگ اپنے ذاتی گھر کرایےپر مسافروں کو دے دیتے ہیں۔ یہ بھی کمائی کا ایک طریقہ ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان شہروں میں مسافروں کی تعداد کافی زیادہ ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں ہوٹلوں کی نسبت پیسہ کم لگتا ہے اس لیے لوگ رغبت سے ایسے گھروں میں چند دن کے لیے رہائش کا اختیار کرتے ہیں۔آفتاب سومرو نے اس بات کو مختصر انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کو یہ منظر جو نظر آیا ہے کہ لوگ باہر رستوں پر

کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے گھر میں دوسروں کو بطور کرایہ دار ٹھہرانے کا اعلان کرتے ہیں۔ سومرو اس کو غربت کی ایک نشانی سمجھتے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے مگر یہ تہذیب کا ایک حصہ بن گیا ہے اور چاہے کوئی غریب ہو یا نہ ہو وہ پیسہ کمانے کے لیے یہ راستہ اپنالیتا ہے اور دوسری طرف جہاں سیاحوں کا اژدہام ہو یہ مسافروں کے لیے بھی سہولتیں پیدا کردیتاہے، کبھی کئی خاندان اکٹھے ایک ہی مکان کرائے پر لے لیتے ہیں اس طرح سب کے لئےکھاناپکانے کے اسباب بھی فراہم ہوجاتے ہیں۔ آفتا ب سومرو نے اپنے مشاہدے کی رو سے مشہد میں اس رواج کو بیان کیا ہے:

" ایسے مکانوں کے لوگ باہر رستوں پر کھڑے ہوتے تھے اور باہر سے آنے والے لوگوں کو اپنے مکان بڑی رازداری سے کرائے پر دیتے تھے اور ان دنوں کے لیے خود کہیں اور گزارا کرلیتے تھے، یا اسی گھر کی کسی خالی جگہ پر گزارا کرتے تھے۔ اس سے بھی غربت کا اندازہ ہوتا تھا۔ "(40)

اکثر ممالک میں سیکورٹی کا بہت خیال کیا جاتا ہے۔ ایئرپورٹ ایسی جگہ ہے جو بہت حساس جگہ سمجھی جاتی ہے اور کچھ شہر ایسے ہوتے ہیں جو اپنے محل وقوع کی بنا پر اور زیادہ قابل توجہ ہوتے ہیں، و ہ دارالحکومت ہو تو پھر اس کی سیکورٹی او رزیاد ہ سنجیدگی سے کی جاتی ہے۔ بار بار کی پوچھ گچھ اور بار بار کی تلاشی مسافروں کے لئے سخت اذیت کا باعث ہوتی ہے اور وہ اس کو وقت ضائع ہونے کے مترادف سمجھنے کے علاوہ مسافروں اور سیاحوں کی بے عزتی بھی سمجھتے ہیں۔ بلقیس ریاض نے اپنی جو کیفیت بیان کی ہے وہی کیفیت ہے جو ہر مسافر کی ہو تی ہے کیونکہ کوئی بھی مسافر یا سیاح تلاشی کو اپنی حق تلفی سمجھتا ہے۔ وہ جب مشہد سے تہران کی طرف روانہ ہوتی ہیں،مشہد کے ایئرپور ٹ کے بارے میں کہتی ہیں:" چیکنگ کرواتے وقت یہ محسوس ہورہا تھا جیسے تہران جانے کے لیے پل صراط سے گزر کرجانا پڑے گا۔ ہر ایک کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہی تھیں--- اس پل صراط سے باری باری سب کو گزرنا تھا"۔ (41)

اردو زبان میں فارسی الفاظ و تراکیب کی بہتات ہے۔ مگر یہ ملے جلے الفاظ، مشکلات کے سبب بھی بنتے ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ ظاہری مماثلت کے باوجود، معنی میں فرق ر کھتے ہیں۔ اس لیے پاکستانی بہنیں اور بھائی جب ایران کا سفرکر تے ہیں تو انہی بظاہر ملتے جلتے الفاظ سے وہ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، بشری فرخ کا کہنا اسی کا مصداق ہے جس پر طنز کے لہجے میں انہوں نے وضاحت کی ہے:

" اور ہر بس میں 3 یا 4 ایرانی خواتین گائید کے طور پر موجود تھیں۔ جن کے سیاہ برقعوں پر ایک جانب فارسی میں حراست لکھا ہوا تھا اور دوسری جانب انگریزی میں سیکورٹی گارڈ لکھا ہوا تھا----- ہم نے خانم زہرہ سے حراست کا مطلب پوچھا تو وہ ہنس پڑی۔ انہوں نے وضاحت کی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں یہ سب لوگ آپ کی حفاظت کےلیے ہیں۔ ہم نے کہا کہ پھر تو یہ لفظ حراست کی جگہ محافظ ہونا چاہیے تھا۔ خانم نے کہا کہ اس کا مطلب محافظ ہی ہے۔ بہرحال اس لفظ پر بہت ساری خواتین نے اعتراض کیا کہ یوں لگتا ہے کہ ہم سب قیدی ہیں اور ہم ایک دوسرے کو قیدی نمبر 1 اور قیدی نمبر 2 کے نام سے چھیڑنے لگے۔"(42)

بشری فرح کا تجربہ ہمارے مدعا کی جانب ایک اشارا ہے اس کے علاوہ " لفظ" سیاحوں کو بھٹکاتے ہیں کیونکہ دوسری زبان میں استعمال ہونے والے مشترک الفاظ کے معنی تک اگر رسائی نہ ہو تو معاشرے کی پہچان اور وہاں کے لوگوں کے روئیے کی شناخت میں غلط فہمی ہوتی ہے۔

ہم نے یہاں جو منتخب ارد و سفرناموں سے ایران کے معاشرتی حالات و مسائل کا ایک نچو ڑ پیش کیا ہے، ا س سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ ان تصانیف کی کتنی اہمیت ہے۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایران کی معاشرتی صورتحال پاکستانی بھائی بہنوں کو بہت بھاتی ہے جس کی وجہ مشترکہ تہذیب و ثقافت ہے۔ ایران کے سفرناموں کا ایک گنجینہ ہے جس میں ایران کا مطالعہ وسیع پیمانے پر شامل ہےجہاں بھی خامیوں کا ذکر ہوتا ہے بلا شبہ وہ قابل غور ہے اور اس مسئلے پر نظر ثانی ہونی چاہیے۔

حوالہ جات

1- بگوی،انوار احمد اور فرحت احمد بگوی، خمینی و فردوسی کی سرزمین، لاہور: شاہکار،2010، ص 28
2- سلیم عباس قیصر،ارشاد احمد حقانی ادارت سے وزارت تک، لاہور: گورا پبلشرز، 1997، ص 194
3- صائمہ اسلم، بلقیس ریاض شخصیت اور فن، لاہور: دستاویز مطبوعات، 2018، ص 136
4- خالد محمود، اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2011، ص277
5- شبیلہ کوثر، اردو ادب میں ایرا ن کے سفرنامے (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)،مقالہ برائے ایم۔فل اردو، استادنگران: انورسدید، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 2004، ص 79
6- الطاف شیخ، ایران کے دن(سفرنامہ)، کراچی: ویلکم بک پورٹ، جنوری 2015، ص 43
7- گیلانی، سید اسعد، سفرنامہ ایران، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، [1983] ص 158
8- حقانی، ارشاد احمد، انقلاب ایران- ایک مطالعہ، لاہور: آئینہ ادب، 1984، ص 32
9- گیلانی، ص 197
10- مختار مسعود، لوح ایام، لاہور: تعمیر انسانیت، انیسویں اشاعت، 2019، ص 482
11- گیلانی، ص 95
12- گیلانی، ص 95- 96
13- حقانی، ص 41
14- آفتاب سومرو، پھر ایران کو چلے(سفرنامہ ایران)، لاہور: الفیصل،2012، ص 30
15- بگوی، ص 164
16- نگار، سجاد ظہیر، اذن سفر دیا تھا کیوں (سفرنامہ ایران)، کراچی: قرطاس 2016، ص62
17- نگار، ص 102
18- نگار، ص 57
19- نگار، ص 58
20- بگوی، ص 169
21- بگوی، ص 169
22- الطاف شیخ، ص 212
23- مختار مسعود، ص 79
24- مختار مسعود،ص 477
25- گیلانی، ص 196- 197
26- گیلانی، ص 200
27- اعوان،ظہور احمد، انقلاب کے دس دن، لاہور: االوقار پبلشرز، جنوری 2009، ص 101
28- رضوی، سید علی اکبر، ایران سرزمین انقلاب (سفرنامہ)، کراچیء ادارہ ترویج علوم اسلامی، چاپ دوم، 2005، ص 150
29- گیلانی، ص 187
30- نگار، ص 111
31- مشرف مبشر، بوستان ایران (سفرنامہ)، پشاور: خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، 2018، ص 216
32- زاہد منیر عامر، " ایران۔ بیش برس پہلے اور آج"، مشمولہ سال نامہ " الحمرا"، لاہور، جنوری 2017، جلد 17،شمارہ 1، ص 80
33- گیلانی، ص 178
34- گیلانی، ص 199
35- محمد صلاح الدین، انقلاب کیاکھویا؟ کیا پایا؟ کراچی: تکبیر پبلی کیشنز، 1982، ص 64- 65
36- محمد صلاح الدین، ص 65
37- غوری، زبیر شفیع، نیرنگ ایران،خراسان تا آذربائیجان، لاہور: اقبال پبلی کیشنز، 2015، ص 140- 141

38- نگار، ص 77
39- نگار، ص 110- 111
40- آفتاب سومرو، ص 57
41- بلقیس ریاض، عمر خیام کے دیس میں، لاہور: مقبول اکیڈمی، بی تا، ص 73- 74
42- بشری فرخ، خمینی کے ایران میں، سفرنامہ، پشاور: قونصلیٹ آف اسلامی جمہوریہ ایران، 2016، ص 72